Vol. 7 No.3 2023

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

پاکستان اور بھارت کی خواتین افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری کا تقابلی مطالعہ
(تانیثیت کے تناظر میں)

A Comparative Study of Fiction Writing by Women Fiction Writers of Pakistan and India
(In the context of Faminisim)

صفیہ بی بی

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر فضیلت بانو

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT

Fiction is a short story that can be read in one in one sitting, which has a unified impression and does not contain many characters. This genre in Urdu came under the influence of western literature. When this genre was used in Urdu, along with male fiction writers, women also entered the field of fiction writing. The need for this was felt because a man cannot write about a woman's emotions, feelings, sufferings and sexual suppression in the same way a woman can feel and write about it. To see the world through the eyes of women and to raise their voices for their rights, a movement came into existence which was called Feminism. Inspired by this movement, fictional literature was created on a global scale. First, Indian women wrote fiction inspired by this movement and after the creation of Pakistan, literature was created under the influence of this movement in both Pakistan and India. This is the Pakistani and Indian society where women are suffering atrocities and Pakistani and Indian women fiction writers have raised their voices against these atrocities.

Key Words: Feminism, Imitation, Gender Discrimination, Male Dominance, Patriarchal Society, Exploitation, Sexual Relations.

اُردو میں افسانے کی روایت کا آغاز انگریزی روایت کی تقلید میں ہوا۔ اردو میں یہ صنف انگریزی ادب سے آئی۔ پہلے پہل انگریزی افسانوں کے اردو تراجم کیے گئے، بعد ازاں افسانے کی روایت کو آگے بڑھانے کے لیے اسے اردو قالب میں ڈھالنے کی بہ جائے اردو زبان میں ہی اس صنف میں ادب تخلیق کیا جانے لگا۔

افسانے کی روایت کے حوالے سے محققین کی آرا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ محققین و ناقدین پریم چند، کچھ سجاد حیدر یلدرم اور کچھ علامہ راشد الخیری کو پہلا افسانہ نگار مانتے ہیں۔ سید معین الرحمان کے مطابق سجاد حیدر یلدرم پہلے افسانہ نگار ہیں جب کہ مولوی عبدالحق، سید وقار عظیم، فراق گورکھ پوری، بے تاب دہلوی، ایچ، ایل گاندھی، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ممتاز شیریں، ڈاکٹر قمر رئیس اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کے خیال میں پریم چند پہلے افسانہ نگار ہیں اور ڈاکٹر انوار احمد اور مرزا حامد بیگ کی نظر میں علامہ راشد الخیری پہلے افسانہ نگار ہیں۔

سجاد حیدر یلدرم کا افسانہ "نشہ کی پہلی ترنگ" جسے اردو ادب کا سب سے پہلا افسانہ بھی مانا جاتا ہے، مجلہ "معارف" علی گڑھ، جلد 4، شمارہ 3 میں اکتوبر 1900ء میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر نثار احمد قریشی کا خیال ہے کہ سجاد حیدر یلدرم کے اس افسانے پر ترکی زبان کے افسانوی ادب کے اثرات موجود ہیں، اس لیے اسے اردو ادب کا پہلا افسانہ نہیں مانا جا سکتا۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ یہ افسانہ طبع زاد تخلیق نہیں بل کہ ترکی ادب سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ میاں علی محمد علیگ کا ماننا ہے کہ منشی پریم چند کا افسانہ "دنیا کا سب سے انمول رتن" ہی اردو ادب کا پہلا افسانہ ہے جو ادبی مجلہ "زمانہ" کان پور میں 1907ء میں شائع ہوا۔ جدید تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ علامہ راشد الخیری کا افسانہ "نصیر اور خدیجہ" جو رسالہ "مخزن" میں 1903ء میں شائع ہوا، فنی اعتبار سے اردو ادب کا پہلا افسانہ ہے اور علامہ راشد الخیری اردو ادب کے پہلے افسانہ نگار ہیں لیکن یہ تحقیق بھی کوئی حتمی تحقیق نہیں ہے۔ تحقیق کا عمل جاری و ساری ہے، عین ممکن ہے مستقبل قریب یا بعید میں کوئی محقق ان تمام آرا کو رد کرتے ہوئے اپنی تحقیق سے کسی اور افسانہ نگار کو اردو ادب کا پہلا افسانہ نگار ثابت کر دے۔

سجاد حیدر یلدرم، منشی پریم چند اور علامہ راشد الخیری کے بعد اس روایت کو آگے بڑھانے میں کئی اہم اور قابلِ ذکر افسانہ نگاروں نے افسانے لکھے اور اپنے قلم کا لوہا منوایا جن میں کرشن چندر، احمد علی، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، شوکت صدیقی، عبداللہ حسین، عزیز احمد، علی عباس حسینی، عرش صدیقی، مجنوں گورکھ

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

پوری، قدرت اللہ شہاب، نیاز فتح پوری، انیس ناگی، انور سجاد، منشایاد اور دیگر کے نام اہم ہیں۔ مرد افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ خواتین افسانہ نگاروں کی بھی ایک طویل فہرست موجود ہے جنھوں نے افسانہ نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ خواتین میں اردو کا سب سے پہلا افسانہ کس نے لکھا؟ اس حوالے سے مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> اردو خواتین افسانہ نگاروں میں اولین افسانہ نگار عباسی بیگم ہیں، جن کا پہلا افسانہ "گرفتارِ قفس" ہے جو اس وقت کے رسالہ "تہذیبِ نسواں، لاہور" میں ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔(۱)

قیامِ پاکستان سے قبل نذر سجاد حیدر، ممتاز شیریں، رشید جہاں، آصف جہاں، رضیہ سجاد ظہیر، حجاب امتیاز علی، بیگم عبدالقادر، امرتا پریتم، شائستہ اکرام اللہ، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، عصمت چغتائی، تسنیم سلیم چھتاری، صدیقہ بیگم سیوہاری جب کہ قیامِ پاکستان کے بعد الطاف فاطمہ، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، قرۃ العین حیدر، بانو قدسیہ، جمیلہ ہاشمی، اختر جمال، رضیہ فصیح احمد، پروین عاطف، فرخندہ لودھی،، خالدہ حسین، عطیہ سید، زاہدہ حنا، نیلوفر اقبال، نیلم احمد بشیر اور طاہرہ اقبال کے نام افسانہ نگاری کے حوالے سے قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں مابعد تقسیمِ ہند، بھارت سے افسانہ نگاری کے میدان میں طبع آزمائی کرنے والی خواتین میں ذکیہ مشہدی، صادقہ نواب سحر، ترنم ریاض، شائستہ فاخری، شکیلہ اختر، شمیم افزا قمر، نصرت آرا، قمر جہاں، کہکشاں پروین، شگفتہ عارف، نکہت پروین شامل ہیں۔ خواتین افسانہ نگاروں نے جہاں ایک طرف افسانہ نگاری کی روایت کو ترقی دینے میں اپنا حصہ ڈالا، وہیں دوسری طرف انھوں نے خواتین کو درپیش مسائل کا تذکرہ بھی ادب کے ذریعے کیا۔

مرد قلم کاروں کی طرح ہر خاتون افسانہ نگار نے بھی مختلف رجحانات اور تحریکوں کے زیرِ اثر لکھا۔ ایسی ہی ایک تحریک تانیثیت کی تحریک بھی ہے جو ایک سیاسی، سماجی اور ادبی تحریک کے طور پر سامنے آئی۔ تانیثیت درحقیقت سماجی طور پر عورتوں کے حقوق اور ان کی آزادی کے علاوہ ان میں مساوات کو عام کرنے کے لیے چلائی جانے والی یورپی تحریک ہے۔ ابتدا میں تانیثیت کی تحریک سے مراد ایک ایسی تحریک تھی جو خواتین اور مردوں کے درمیان صنفی امتیاز ختم کر کے خواتین کو ان کے حقوق کے حصول کے لیے آگاہی دے۔ بعد میں جیسے جیسے اس تحریک کو مقبولیت ملتی گئی، یہ اپنے وسیع تر مفاہیم میں استعمال ہونے لگی۔ تانیثیت کی تحریک خواتین کو یکساں حقوق کی فراہمی کے حصول کے لیے وجود میں آئی تھی، بعد میں اسے کبھی سیاسی مقاصد اور کبھی مادر پدر آزادی کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔ اردو میں اس تحریک کے لیے کبھی نسائی تحریک اور کبھی نسائی حسیت کی تحریک کے الفاظ استعمال کیے گئے۔ اس حوالے سے طویل عرصہ تک متبادل اصطلاح کے لیے مختلف رویے پیشِ نظر رہے لیکن دورِ حاضر میں Feminism کے لیے اردو میں متبادل اصطلاح تانیثیت استعمال کی جاتی ہے۔ تانیثیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے صالحہ صدیقی لکھتی ہیں:

> "تانیثیت ایک ایسی تحریک ہے جو خصوصاً عورتوں سے متعلق ہے۔ یہ تحریک صدیوں سے چلی آ رہی عورتوں کی زبوں حالی کے خلاف احتجاج بلند کرتی ہے۔"(۲)

تانیثیت کا رجحان یورپی مفکرین کی ذہنی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔ عورت کی برتری کو عصرِ حاضر کے جدید رجحان کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں Feminism کے متبادل کے طور پر اردو میں تانیثیت کی اصطلاح رائج ہے۔ تانیثیت مکمل طور پر عورت کی برتری اُجاگر کرنے والا یورپی فلسفہ ہے۔ مشرقی ممالک میں کوئی بھی دور واضح طور پر تانیثیت کا علمبردار نہیں رہا یعنی ایشیا کے خطے میں موجود تمام ممالک اور ان میں بسنے والے باشندے عورت کی آزادی اور حقوق کے پاسبان رہے۔ مختلف مذاہب کی تاریخ دیکھیں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ ہر مذہب عورت سے مساوی سلوک کی تعلیم دیتا نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود بھی مرد بالادستی کا سماج ہی ایشیائی ممالک میں جاری و ساری رہا۔ یورپ میں ابھرنے والی تانیثیت کی تحریک ہر دَور میں مختلف رہی۔ بیشتر یورپی عورتوں نے مرد بیزاری کا ثبوت دیتے ہوئے انقلابی فیمنزم کی روایت کا آغاز کیا۔ یہ تمام تصورات یورپی دنیا کی ذہنی اختراع پسندی کا نتیجہ ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی عورت ہر قسم کی آزادی کے لیے جستجو میں مصروف ہے۔

تانیثیت کی خشتِ اول مغرب میں رکھی گئی۔ عورتوں کی آزادی کی پہلی تحریک کا آغاز باضابطہ برطانیہ اور امریکہ میں 1848ء میں ہوا۔ میری والی سٹون کرافٹ، جان اسٹورٹ مل، لوسی اسٹون، کیڈی اسٹنٹون، سوزین بی، ورجینیا وولف اور سیمون دی بوائر کا شمار تانیثیت کو فروغ دینے والوں میں ہوتا ہے۔ تانیثیت کے پیروکاروں نے پدرسری نظام کو ٹھکراتے ہوئے مرد اساس معاشرہ کی مخالفت اور عورتوں کی برتری کو اہمیت دے کر ساری دنیا کے معاشرے میں عورت کے استحصال کے خلاف آواز اٹھائی۔ اِس روش کو یورپی ممالک میں فروغ حاصل ہوا اور یورپ کے توسط سے ہندوستان کی سرزمین میں بھی تانیثیت کے اثرات عام ہونے لگے۔ تانیثیت کی نمائندگی کرنے والی خواتین نے عورت کی گھریلو زندگی اور اسے بقائے نسلِ انسانی کا ہتھیار بنا کر اس کی عصمت، عفت اور پردے کی پابندی کو ضروری سمجھا لیکن سماجی ترقی کے پس منظر میں خواتین نے اس نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق فراہم کرنے کا نعرہ بلند کیا اور یہی نعرہ تانیثیت کی

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

پہچان بن گیا۔عالمی سطح پر پھیلنے والی تانیثیت کی اس تحریک کو مفکرین و محققین نے کئی اقسام میں تقسیم کیا جیسے روشن خیال تانیثیت،شدت پسند تانیثیت،سوشلسٹ تانیثیت،ترقی پسند تانیثیت،سیاہ فام تانیثیت، تحلیلِ نفسی پر مبنی تانیثیت،جدید تانیثیت،مابعد جدید تانیثیت،ساختیاتی اور پس ساختیاتی تانیثیت،ماڈیت پرست تانیثیت وغیرہ۔

خواتین افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقات میں جہاں دیگر تحریکوں کے زیرِ اثر لکھا،وہیں یورپ سے آنے والی تحریک تانیثیت کے تناظر میں بھی افسانے لکھے گئے۔ایسی افسانہ نگار خواتین جنھوں نے اپنی تخلیقات میں تانیثیت کے پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر لکھا،ان میں رشیدہ جہاں، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی،ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور،بانو قدسیہ،غزالہ خاکوانی، نیلم احمد بشیر،بشریٰ اعجاز،جیلانی بانو،شائستہ فاخری،ذکیہ مشہدی،واجدہ تبسم،زاہدہ حنا اور خالدہ حسین وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

ڈاکٹر رشیدہ جہاں ابتدائی افسانہ نگار خواتین میں شمار کی جاتی ہیں جو انجمن ترقی پسند مصنفین کی بھی بنیادی ممبر تھیں۔اس دور کے سب سے معروف رسالے "انگارے" میں بھی ان کے افسانے شائع ہوتے رہے۔رشیدہ جہاں کا افسانوی مجموعہ "عورت اور دیگر افسانے" ممنوع قرار دیے گئے تھے کیوں کہ رشیدہ جہاں نے عریاں نویسی میں سماج کے ناسوروں کو بے نقاب کیا تھا۔یہ سچ تھا کہ ان کے افسانوں میں حد درجے کی عریاں نویسی تھی۔رشیدہ جہاں کو انگارے میں چھپنے والی دو کہانیوں کی وجہ سے شہرت ملی مگر انھوں نے اپنے ہنر کو سیاست کی نذر کر دیا ورنہ افسانوی ادب میں زیادہ نمایاں جگہ پا جاتیں۔رشیدہ جہاں نے اپنے افسانوں میں عورت کی مظلومیت پر توانا آواز بلند کی ہے۔

اردو افسانے کی ابتدا کرنے والے سجاد حیدر یلدرم کی بیٹی قرۃ العین حیدر نے بھی افسانہ نگاری میں اپنے خوب قدم جمائے۔انھوں نے افسانے میں تانیثیت کے حوالے سے الگ پہچان بنائی ہے۔ قراۃ العین حیدر سجاد حیدر یلدرم کی بیٹی تھیں اور وہ تقسیمِ ہند کے وقت پاکستان آئیں مگر بعد میں وہ دوبارہ بھارت چلی گئی تھیں ۔انھوں نے 11 برس کی عمر سے کہانیاں لکھنی شروع کی تھیں جس کی وجہ سے ان کو اردو ادب کی ورجینیا وولف بھی کہا جاتا ہے۔ قراۃ العین حیدر کے ہاں تانیثیت کا تصور تھوڑا مختلف ہے۔ان کے افسانوں میں نسوانی کردار اپنی الگ اہمیت رکھتے ہیں۔وہ کہیں مردوں کے مدِ مقابل نظر آتے ہیں تو کہیں مساوی کردار نبھاتے ہوئے اچھے دوست نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوں میں عورت کے حقیقی مسائل اور نفسیات کا ذکر نظر آتا ہے۔وہ صرف ناخواندگی کو عورت کا مسئلہ نہیں گردانتیں بل کہ مردوں کی اس ذہنیت کو بھی عورت کے حقیقی مسائل کی جڑ قرار دیتی ہیں جس کی وجہ سے مرد عورت کو اپنے مدِ مقابل نہیں آنے دیتے،اسے برابری کی جگہ نہیں دیتے۔وہ اپنے ایک نسوانی کردار کی خود کلامی میں اپنا نقطۂ نظر بتاتی ہیں:

> "ساری دنیا کے معبدوں کے سرد،بے حس پتھر عورتوں کے آنسوؤں سے دھلتے رہتے ہیں۔عورتوں نے ہمیشہ اپنے اپنے دیوتاؤں کے چرنوں پر سر رکھا اور کبھی یہ نہ جاننا چاہا کہ اکثر یہ پاؤں مٹی کے بھی ہوتے ہیں۔عورتیں اتنی پرستار،اتنی پجارنیں کیوں ہیں؟اس لیے کہ وہ کمزور ہیں؟اور سہارے کی حاجت مند ہیں،۔۔۔شوہر یا محبوب کے پیار اور محبت کی ضمانت کسی ان دیکھی طاقت سے چاہتی ہیں؟اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے ہراساں رہتی ہیں ۔"(۳)

عصمت چغتائی نے خواتین کے جنسی مسائل پر منٹو کی طرح بے باکی سے لکھا۔انھوں نے عورت ہو کر عورت کے ان مسائل پر بات کی جن پر کوئی بولنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ان کے نزدیک عورت کی زندگی سب سے زیادہ قابلِ رحم ہے،جس میں مرد اس کو کھلونے کی طرح استعمال کرتا ہے۔"بھابی" افسانے میں انھوں نے عورت کی قربانی اور مرد کی اسی بے حسی کو بیان کیا ہے جس میں بھابھی شوہر کی خواہش کے مطابق خود کو گھرہستی کے ماحول میں ڈھال لیتی ہے۔بناؤ سنگھار چھوڑ کر میلی کچیلی سی گھر کی ذمہ داریوں کو نبھاتی کہ بھدی ہو جاتی ہے۔اس کے بعد کیا ہوتا ہے ان کے افسانے "بھابی" میں لکھا ہے:

> "بھابی نے اپنی نسوانیت کی پوری طرح بے آبروئی کر ڈالی۔وہ بھیا کے پیروں پر لوٹ گئیں۔ناک رگڑ ڈالی۔۔۔تم اس سے شادی کر لو۔۔۔میں کچھ نہ کہوں گی مگر خدا کے لیے مجھے طلاق نہ دو۔میں یوں ہی زندگی گزار دوں گی ۔مجھے کوئی شکایت نہ ہو گی۔
> مگر بھیا نے نفرت سے بھابھی کے تھل تھل کرتے ہوئے جسم کو دیکھا اور منہ موڑ لیا۔"(۴)

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

عصمت چغتائی کی تحریروں میں مرد کی جھوٹی انا، آن بان، عیاری اور مکاری کی ایسی جھلک نظر آتی ہے جس میں وہ عورت پر ظلم و ستم کرتا ہے اور عورت ذلتیں سہ کر بھی سمجھوتا کرنے کو تیار نظر آتی ہے۔ عصمت چغتائی کے افسانوں میں عورت کے ہر روپ ہر مسئلہ کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ انھوں نے اپنے زیادہ تر افسانے آپ بیتی کے انداز میں تحریر کیے ہیں۔

ہاجرہ مسرور دنیائے اردو ادب میں ایک اہم حیثیت کی حامل خاتون افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں پہ ترقی پسندیت کی چھاپ نظر آتی ہے۔ جب انھوں نے افسانہ نگاری کی دنیا میں قدم رکھا تو ان کے افسانوں کی گونج ہر جگہ سنائی دینے لگی۔ انھوں نے سولہ برس کی عمر میں پہلا افسانہ لکھا۔ ان کے افسانوں میں خواتین کے مسائل کے ساتھ ساتھ ان کی بے بسی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ویسے تو انھوں نے سماج کے ہر پہلو پر طبع آزمائی کی لیکن ان کا موضوعِ خاص سماجی ناانصافیوں اور بے بسی ولاچاری کی تصویر بنی عورت ہے۔ ان کے افسانوں 'ہائے اللہ'، 'بند ر کا گھاؤ' اور 'چراغ کی لو' میں نوجوان لڑکیوں کے جنسی مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کو پاکستان میں حقوقِ نسواں کی علم بردار مانا جاتا رہا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں ان کو حکومتِ پاکستان کی جانب سے تمغہ حسنِ کارکردگی کا ایوارڈ بھی دیا گیا۔ اوائل عمری میں عورتوں کے اندر جنم لینے جذبات اور دیگر چھوٹے چھوٹے مسائل کو وہ اپنے افسانوں میں حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کرتی نظر آتی ہیں۔ اپنے افسانہ 'ہائے اللہ' میں لکھتی ہیں:

> "یہ دوپٹہ اوڑھا ہے چڑیل نے۔ ان کی کمزور نظریں اس کے پورے جسم پر اوپر نیچے پھسلنے لگتیں اور وہ جلدی سے اپنی بھاری بھاری پلکیں جھکا کر دوپٹہ احتیاط سے اوڑھ لیتی۔ بالکل آمنہ آپا اور بڑی اماں کی طرح۔ لیکن فوراہی اسے دادی کے سرے سے دوپٹہ نہ اوڑھنے اور دوسروں کو ہدایت کرنے پر غصہ آنے لگتا۔"(۵)

حاجرہ مسرور کے افسانے میں زبردستی دوپٹہ اوڑھنے کی تلقین کرنے، بے جا سختی وروک ٹوک، نظروں کے طواف اور مردوں کے خواتین کے حوالے سے جذبات اور خواتین کے مردوں کے حوالے سے جذبات اور بلاوجہ کے شک کو بیان کیا گیا ہے۔

خدیجہ مستور، حاجرہ مسرور کی بڑی بہن تھیں اور دونوں بہنیں برقع پوش بہنیں کہلاتی تھیں۔ خدیجہ مسرور کے قلم سے بھی عورت کی نفسی کیفیات، جذبات اور ان کے لطیف احساسات نکلتے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانے عورت کی محبت، عورت کی مظلومیت، عورت کی وفا اور اس کے استحصال کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ جس دور میں خدیجہ مستور افسانے لکھ رہی تھیں، تب بھی اور اب بھی معاشرے کا رویہ عورت کے ساتھ کچھ خاص مختلف نہیں ہے۔ عورت کو ہمیشہ جسمانی طور پر تسخیر کیا جاتا رہا ہے، اس کے قلب وذہن تک رسائی ممکن ہی نہیں، ناممکن نظر آتی ہے۔ خدیجہ کے افسانوی فن کو سمجھنے کے لیے اس دور کی عورت کے معاشرتی مقام اور سماجی رویوں کو سمجھنا اشد ضروری ہے۔ خدیجہ مستور حقیقت پسند تھیں۔ ان کے افسانوں میں بھی حقیقت پسندی کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کے افسانوں میں بخوبی حقوقِ نسواں کی طاقت ور تحریک نظر آتی ہے:

> "معافی کس بات کی شکیل! یہ دنیا ایک کھیل کا میدان ہے اور ہم سب کھلاڑی، کوئی ہارے کوئی جیتے، میں ہاری، تم جیتے۔ اب میں جارہی ہوں، خدا معلوم کہاں، دنیا ہارنے والوں کی نہیں ہوتی، اس کے لب کانپے، آواز مدھم پڑ گئی، پاگل آنکھوں پر مژدنی چھارہی تھی۔"(۶)

خدیجہ مستور اپنے افسانہ "کھیل" میں زندگی کے کھیل کا فلسفہ بیان کر گئیں جس میں انھوں نے عورت کے ہار مان لینے کے فلسفے کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ عورت ہار جائے تو وہ زندگی ہار جاتی ہے۔

بانو قدسیہ نے اردو افسانے میں اپنی منفرد پہچان بنائی۔ بانو قدسیہ، اشفاق احمد کی بیوی تھیں۔ گھر میں مرد وخواتین ادبا کا آنا جانا تھا۔ انھوں نے عورت کے ہر روپ کو سامنے رکھ کر افسانے لکھے۔ عورت جسے ہمیشہ ایک راز سے تشبیہ دی گئی ہے، یہ مردوں کی تخلیقات کا موضوع بھی رہی ہے لیکن عورت کے جذبات واحساسات کو واضح طور پر بیان کرنے کے لیے عورت لکھاری کی ضرورت ہی محسوس کی گئی ہے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دیگر خواتین تخلیق کاروں کی طرح بانو قدسیہ بھی سامنے آئیں اور عورت کو درپیش مسائل کا ذکر عورت ہی کے قلم سے ہونے لگا۔ انھوں نے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی یعنی عورت کے ہر روپ کو مدِ نظر رکھ کر افسانے لکھے۔ جس طرح ماں کا رشتہ قابلِ بھروسہ ہوتا ہے اسی طرح بہن کا رشتہ بھی بھروسے کا ہوتا ہے مگر بانو قدسیہ کے افسانوں میں اکثر بہن کا کردار منفی کردار کے طور پر نظر آتا ہے جو سازشی ہے، غاصب ہے اور اپنی ہی بہن کے خلاف حسد اور بغض کے جذبات رکھتی ہے۔ افسانہ ہزار پایہ میں بانو قدسیہ لکھتی ہیں:

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"۔۔۔'اللہ میاں باجی تو مر ہی جائے بالکل ساری کی ساری۔۔۔'لیکن اب یہی خیال بدہیئت انجن کی طرح میرے ذہن کو کوٹ رہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ میری بددعا نے باجی کی جان لی۔۔۔۔۔وہ الفونزا سے نہیں اپنی بہن کی بددعا سے مرگئی ہے۔۔۔۔اب جب وہ مرگئی ہے تو میں اسے کیسے یقین دلاؤں کہ یہ بددعا میں نے جی سے نہ دی تھی۔"(۷)

عصمت چغتائی کی طرح بانو قدسیہ عورت کو بغاوت پر آمادہ نہیں کرتیں بل کہ ان کے افسانوں میں عورت کو عورت بننا اور مرد کو ایک محافظ مرد بننا سکھایا گیا ہے۔ان کے افسانوں کے تمام کردار اچھائی و برائی کا مرقع ہیں۔نثر نگاری میں بانو قدسیہ کا ایک منفرد اسلوبِ بیان ہے جس کی بدولت آج بھی ان کی نثر کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔غزالہ خاکوانی کے افسانوی موضوعات میں وسعت نظر آتی ہے۔ان کے افسانوں کے غالب موضوعات میں جنسی جبر و ستم،گھریلو الجھنیں، سماجی ناہمواریاں، افلاس، محرومی اور خاص طور پر خواتین کی بے بسی اور استحصال سے پاک معاشرے کا قیام شامل ہیں۔انھوں نے بہت واضح انداز میں عورتوں کی نا آسودگی کو بیان کیا ہے۔ اپنے افسانوں میں انھوں نے سکے کے دو رُخ پیش کیے ہیں کہ اول کسی ذہین عورت کو منظرِ عام پر آنے ہی نہیں دیا جاتا اور اگر آ بھی جائے تو یا تو اسے دفن کر دیا جاتا ہے تو پھر اسے اپنی مرضی کے برخلاف کسی زندان میں بھیج دیا جاتا ہے جسے عام طور پر سسرال بھی کہا جاتا ہے۔اگر وہ اس سب سے بچ نکلے تو اسے طوائف بنا کر کوٹھے پر بٹھا دیا جاتا ہے جہاں دن رات اس کے احساسات کو روندا جاتا ہے۔اپنے ایک افسانہ "در تو کھولیے" میں لکھتی ہیں:

"اس ادیب اور شاعر سے ملنے کے بعد اسے ادراک ہوا کہ وہ غلام گردش کی طرح ہے جس میں ذہین عورت کو دفن کر دیا جاتا ہے جب کہ سستی عورتوں کی قیمت بڑھا کر مارکیٹ میں پیش کیا جاتا ہے۔یہاں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔"(۸)

نیلم احمد بشیر معروف ادیب احمد بشیر کی بیٹی ہیں۔انھوں نے اپنے افسانوں میں معاشرے کا بھیانک سچ دکھایا ہے۔وہ لگی پٹی کے بغیر بلاخوف سچ بیان کر دیتی ہیں۔نیلم احمد بشیر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے منٹو کی طرح معاشرے سماجی اور جنسی رویوں پر لکھا ہے۔معاشرے کی منافقت کو بے نقاب کیا ہے۔اپنے افسانے "مردوں والا کام" میں وہ عورت کے احساسات کی پامالی کا منظر وہ یوں پیش کرتی نظر آتی ہیں:

"سبزی کاٹتی تو اپنے حسیات سے عاری جسم کو کاٹ رہی ہوتی، ہنڈیا پکاتی تو خود کو چولہے میں جھونک کر ہڈیوں کا بالن سلگا لیتی۔اپنی روح کو دیگچی میں ڈال کر زور زور سے بھوننے لگ جاتی۔کپڑے دھوتی تو اپنے ہی وجود کو ڈنڈے سے کوٹ کر پٹخ کر تیز چلتی دھوپ میں سوکھنے کے لیے ڈال دیتی۔جھاڑو لگاتی تو اسے اپنی ذات ہزاروں ٹکڑوں میں ریزہ بکھری پڑی ملتی جسے وہ کوڑے کے ڈھیر پر پھینک آتی۔"(۹)

نیلم احمد بشیر نے پاکستانی معاشرے میں پائے جانے والے مسائل پر لکھا ہے۔ان مسائل سے جنم لینے والی معاشرتی برائیوں اور خواتین کی حق تلفی پر لکھا ہے۔بشریٰ اعجاز ایک بہترین افسانہ نگار ہیں۔انھوں نے اپنے افسانوں میں نسائی حسیت کو بیان کیا ہے۔عورت ہو کر وہ عورت کے جذبات سے کلی طور پر واقفیت رکھتے ہوئے اس کے بارے میں کھل کر اپنے تاثرات قلم بند کرتی ہیں۔اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ عورت کو رومان، رنگا رنگی، نشاط انگیز گفت گو اور ہمیشہ مرد کی محبت بنے رہنا زیادہ پسند ہے۔اس کے برعکس مرد کا زیادہ رجحان جنسی عمل کی طرف ہوتا ہے۔وہ بہت کم ہی عورت کی مرضی و منشا کو سمجھ پاتا ہے۔مرد کو اپنے برتر ہونے کا احساس اسے کھل کر عورت سے اپنی کیفیت بیان کرنے سے روکتا رہتا ہے۔وہی عمل جو مرد و عورت کے درمیان باہمی رضامندی سے ہو تو وہ نشاط انگیز احساس بن جاتا ہے اور وہی تعلق اگر زور زبردستی اور دھونس کے بل بوتے پر قائم کیا جائے تو وہی تعلق عمر بھر کی ذلت، خجالت اور کلنک بن جاتا ہے۔بشریٰ اعجاز جنسی موضوعات کو زیرِ قلم لاتی ہیں اور انھیں کہانی کا رنگ دے کر قارئین کے سامنے پیش کرتی ہیں۔اپنے افسانے "کیچوے" میں وہ ایک ایسی ہی لڑکی کی کیفیت بیان کرتی ہیں جو زبردستی تعلق بنائے جانے کی تکلیف سے گزر چکی ہے۔

"نیند کے گہرے اثر میں ڈوبے ذہن اور آنکھ کے درمیان رابطہ بحال ہوا تو اسے جسم پر جابجا کیچیوں کے رینگنے کا احساس ہوا جو گردن سے ہوتے ہوئے انتہائی خاموشی اور ہوشیاری سے اس کے کندھوں پر پھیل چکے تھے۔اور اب آہستہ آہستہ سینے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آنکھیں بند کر کے چت پڑی زینب نے چھاتیوں پر تیزی سے رینگتے اور پھسلتے کیچوں کو پکڑے

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کے لیے ہاتھ بڑھانا چاہا مگر۔۔۔کم آن زینت کیا مردوں کی طرح پڑی ہو، کب سے تمھیں۔۔۔سجاد کی تیز سانسوں کے شور میں ڈوبتی ابھرتی آواز کہیں دور سے آئی۔"(۱۰)

جیلانی بانو کے بہت سے افسانے نسوانی مسائل کی نمائندگی کرتے ہیں۔انھوں نے خواتین کے ابارشن سمیت دیگر مسائل بھی اجاگر کیے۔ان کے افسانے کتاب الرائے میں ہندو سماج کے مطابق بیواؤں کو دوسری شادی سے ممانعت پر لکھا گیا ہے کہ کس طرح خواتین کو اپنی خواہشات اور جذبات کو ختم کرنا پڑتا ہے ۔الزامات، شک اور طعنوں سے تنگ آکر خاتون یہی سوچتی ہے کہ وہ شوہر کی میت کے ساتھ ہی ستی ہو جاتی تو یہ سب نہ سہنا پڑتا۔اپنے کردار کے داخلی کرب کو بیان کرتے ہوئے جیلانی بانو لکھتی ہیں کہ:

"جس طرح میں نے رتنم کو بڑے ارمانوں سے دلہا بنایا تھا اسی طرح کٹی کو بھی سجایا۔ مگر جب کٹی رخصت ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ آج میری پونجی پھر لیٹروں نے چھین لی ہے۔ میں بھی کتنی بے وقوف تھی ایڈیٹر صاحب۔۔۔کہ ایک ہی بار وٹھل کے ساتھ ستی نہ ہوئی۔اب ہر بار لوگ میرے ادھ جلے بدن کو شعلوں میں سے اٹھالاتے ہیں۔"(۱۱)

شائستہ فاخری جن کا تعلق بھارت کی سرزمین سے ہے، انھوں نے وہاں کی عورت کے مسائل کو بہت قریب سے دیکھا اور پھر اپنے افسانوں میں ان مسائل کی نشان دہی کہ کس طرح وہاں خواتین کو ہراساں کیا جاتا ہے، ان کا جنسی استحصال کر کے ان کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔اسی وجہ سے اکثر خواتین عصمت کو بچانے کے لیے دن رات ڈرتی رہتی ہیں۔ان کی زندگی خوف میں بسر ہوتی ہے۔خواتین کے ان مسائل پر شائستہ فاخری نے خوبصورتی سے اپنا افسانہ ریچھ تحریر کیا ہے جس میں ایک طالبہ اپنے ہی استاذ کے ہاتھوں جبری زیادتی کا نشانہ بنتی ہے۔یہ خوف اس کے قلب و ذہن پر اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ وہ پڑھنے کے نام سے ہی گھبرانے لگتی ہے کیوں کہ اسے لگتا ہے کہ جیسے ہی وہ کتاب کھولے گی، کوئی ریچھ اس پر حملہ کر دے گا۔بچی کی والدہ جب اسے پریشان دیکھ کر اسے پڑھائی کا مشورہ دیتی ہے تو وہ جس قطعیت سے انکار کرتی ہے، اس سے بچی کے ذہنی کرب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

"نہیں نہیں ماں میں اب نہیں پڑھوں گی، کبھی نہیں پڑھوں گی مجھے ڈر لگتا ہے۔میری کتاب میں ایک بہت خوفناک ریچھ بیٹھا ہے وہ مجھے نوچ ڈالے گا۔اس کے پنجے بڑے بڑے ہیں، میرے جسم کی بوٹی بوٹی کر دے گا۔"(۱۲)

جنسی روابط پر اکثر لڑکیاں جہاں خوف زدہ ہوتی ہیں وہیں ان کو اس قدر ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ہی نظروں سے بھی گر جاتی ہیں اور ذہنی و جسمانی بیماریوں کا بھی شکار ہو جاتی ہیں۔تانیثیت میں ان دہرے معیارات پر آواز بلند کرتے ہوئے پدرسری نظام کے خلاف آواز بلند کرنے میں شائستہ فاخری کا کمال ہے۔

ذکیہ مشہدی کا تعلق بھی بھارت کی سرزمین سے ہے۔اپنے افسانوں میں انھوں نے عورت کی کم تر حیثیت اور اس کے استحصال کو بیان کیا ہے۔افسانہ "بھیڑیا" میں مشترکہ خاندانی نظام میں ظلم اور استحصال کا شکار ہوتی ایک عورت کی کہانی ہے۔وہ ایک زمین دار برہمن خاندان کی بہو تھی۔اس خاندان نے علاقے میں اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے اپنا رکھے تھے۔اسی کے زور پر اس کا امیدوار ہر مرتبہ بہ آسانی انتخابات جیت جاتا تھا۔اسی خاندان نے اپنا گھر چلانے کے لیے اپنے گونگے بہرے بیٹے کی ایک ہنر مند گھریلو خاتون سے شادی کرادی تھی۔بیٹا شہر میں اور بہو گاؤں میں رہتی تھی۔بہو بار بار شہر جانے کی ضد کرتی ہے لیکن اسے جانے نہیں دیا جاتا۔پھر ایک روز اسے علم ہوتا ہے کہ اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی ہے۔یہ سنتے ہی وہ گھر چھوڑ کر جانے کی پوری تیاری کر لیتی ہے مگر تبھی اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر شہر جانے کے لیے جس راستے سے بھی گزرے گی، ہر اس راستے پر اسے ایک بھیڑیا بیٹھا ملے گا۔اسے نہ تو شوہر کا پیار ملتا ہے اور نہ ہی اسے اس کی بے لوث خدمت کے عوض سسرال میں عزت ملتی ہے۔افسانہ بھیڑیا میں انجو کے سسر کے الفاظ مرد کی عورت کے بارے میں ذہنیت کی عکاسی کر رہے ہیں۔

"جنانی کی عقل پاؤں میں۔اے نکال کون رہا ہے۔بس ذرا مزہ چکھانا ہے۔جائے گی کہاں؟ اس کا بھگڑا ماتو دوسرے دن ہی یہاں لا کر ڈال جائے گا۔اور برج کی ماں کی بھی مجال نہیں کہ ہماری مرضی کے بغیر بہو کو لے جائے۔دیکھتی جاؤ تماشا۔"(۱۳)

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ذکیہ مشہدی نے مرد کی جھوٹی آن بان اور شان کو اپنے افسانوں میں بے نقاب کیا ہے۔ انھوں نے عورت کے مقام اور مرد کی نظر میں عورت کی عزت کو اپنے افسانے میں خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ مردانگی کے لبادے میں بیٹھے انا کے ماروں کی حیثیت کو بیان کیا ہے کہ وہ کس طرح عورت کو اس کا مقام دینے کی بجائے بس نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں؟

واجدہ تبسم نے تانیثیت کے حوالے سے مضبوط کردار نبھایا۔ انھوں نے معاشرے میں ہونے والی بے انصافیوں، ظلم و بربریت اور مصائب و آلام کو اپنی تحریر کا حصہ بنایا۔ واجدہ تبسم کو منٹو اور عصمت چغتائی کے بعد ان کی روش پر چلنے والی مصنفہ بھی مانا جاتا ہے۔ جنس کے مسئلے پر جس طرح منٹو اور عصمت چغتائی پر مقدمات ہوئے اسی طرح واجدہ تبسم پر بھی ہوئے۔ ان کے افسانوں میں لڑکیوں کی شادیوں میں درپیش مسائل، جنسی کشمکش اور دیگر مسائل کی جھلک ملتی ہے۔ ان کے افسانہ سہاگن میں ایک عورت جس کی شادی مستقبل قریب میں ہونی ہوتی ہے، اس کے ہونے والے شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی بھی اسے اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور اسے منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ اسے ایک ایسی بلا سے تشبیہ دی جاتی ہے جو اپنے ہی شوہر کو نگل گئی۔ افسانہ نگار ایک عورت ہی کے دوسری عورت کے لیے بولے گئے الفاظ کو یوں بیان کرتی ہیں:

> "ہم تو بیٹی کی پیاری شکل دیکھ کر تبھی چونکے تھے کہ ضرور دال میں کالا ہے مگر آپ نے بات کی تہ تک جانے نہ دیا۔ وہ تو بھلا ہوا کہ ہمیں پتا چل گیا کہ صاحبزادی منحوس ماری ہیں۔ اپنے منگیتر کو کھائے بیٹھی ہیں ورنہ جانے ہمارے گھر کا کیا حشر ہوتا۔ بہن اختر آپ کے دل میں بھی دیا، محبت تو ہو گی ہی، پھر آپ نے اپنی اولاد کے لیے دوسرے کی اولاد کا برا کیوں چاہتی ہیں؟ آپ کے رویہ سے ہمیں سخت تکلیف پہنچی ہے، وہ تو اللہ بھلا کرے ان بے چاروں کا جنھوں نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا اور صورتِ حال سے مطلع کیا ورنہ ہمارے گھر میں بھی الو بول جاتا۔ ہمیں سب کچھ پتا چل گیا۔"(۱۴)

اس افسانے میں نواب گھرانوں کا مذاق اڑایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بڑی بڑی حویلیوں میں رہنے والوں کی سوچ بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ خاندان میں اپنی انا اور جھوٹی عزت قائم رکھنے کے لیے لڑکیوں کا قتل بھی کر دیا جاتا ہے اور لڑکیوں کو منحوس قرار دے کر ان سے شادی کے لیے بھی کوئی تیار نہیں ہوتا۔ ماں باپ کے گھر بیٹھے بیٹھے ان کے بالوں میں چاندی اترنے لگتی ہے اور یوں وہ قبل از وقت بزرگی کی چادر اوڑھ لیتی ہیں۔

زاہدہ حنا کا شمار بے باک لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے کمال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جن پر لکھنا تو دور، بات کرنا بھی لوگ گوارا نہیں کرتے۔ اکثر علاقوں میں خواتین کے لیے پڑھنے پر پابندی ہوتی ہے۔ ان کو تعلیم کے زیور سے محروم رکھا جاتا ہے۔ شادی کے بعد ان کو بس چولہے کے آگے بیٹھ کر ہانڈی روٹی کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے، اس کی تعلیم کو زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے، اسی مسئلے کو مدِ نظر رکھ کر زاہدہ حنا نے اپنے افسانے "زمین آگ کی، آسمان آگ کا" میں لکھا ہے:

> "انھیں یقین ہو گیا کہ عورتوں کی نجات کا کوئی نسخہ آسمان سے زمین پر نہیں اتارا گیا ہے۔ تمام کتابیں، تمام تحریریں، تمام اقوال، اس لیے ہیں کہ مردوں کو اس سے آگاہ کیا جائے کہ وہ دنیا میں ہی عورتوں کو کس طور جہنم کے ساتویں طبقے میں رکھ سکتے ہیں۔"(۱۵)

خالدہ حسین تو تانیثیت کے حوالے سے مشہور ہیں۔ عورتوں کے سماجی مسائل پر خالدہ حسین نے بے تحاشا لکھا ہے۔ انھوں نے عورت کی جسامت، موٹاپے اور پھر نظر انداز ہونے کی کیفیت کو بخوبی اپنے افسانوں میں لکھا ہے۔ عورت کے وجود، بیٹیوں کو بوجھ سمجھنا جیسے مسائل پر انھوں نے اپنے قلم کو حرکت دی۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں خاص طور پر اس نظریے کو بیان کیا ہے کہ گناہ و ثواب کے پیمانے مرد و عورت کے لیے الگ الگ کیوں ہیں؟ اگر عورت کچھ ایسا ویسا کرے یا کرنے کا سوچے تو اس پر زندگی تنگ کر دی جاتی ہے اور اگر مرد وہی کام کرے تو اسے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہوتا۔

> "اور کیا بتاؤں بھابھی جی۔ ایک تو میں اس کے پاس بیٹھتا ہوں تو جیسے اس کو گولی لگتی ہے۔ اس نے گلے کی رگیں پھیلائیں۔۔ نانا۔۔۔ اے زہری۔۔ پتا ہے فرشتے لعنت کرتے ہیں تمام رات۔ یہ بھی فرشتوں کی کتنی زیادتی تھی کہ زہری ہی کو لعنت کرتے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات قطعی نہیں آئی۔"(۱۶)

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کرشنا سوبتی بھی تانیثی ادب میں مضبوط حوالہ ہیں۔انھوں نے ہندوستان کے رسم ورواج اور دقیانوسی سوچ کی وجہ سے خواتین کو جن عجیب مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان تمام موضوعات کو اپنے افسانوں کی زینت بنا کر اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا ہے۔انھوں نے عورتوں کی مشکل زندگی کا بغور مشاہدہ کیا ہے۔انھوں نے عورت پر ہونے والے ظلم، پابندیوں اور ان پر نفسیاتی و جنسی تشدد کو بھی زیرِ موضوع رکھا ہے۔ان کے افسانوں میں عورت کو مضبوط دکھایا گیا ہے جس کو مرد کی ضرورت نہیں۔ ان کے افسانوں میں عورت کے ساتھ ناانصافیاں بھی دکھائی گئی ہیں جیسے ان کے افسانے 'ایک دن' میں مرد دوسری شادی بھی کرتا ہے اور پہلی بیوی ظلم و ستم بھی برداشت کرتی ہے۔وہ شوہر کو مجازی خدا مانتی ہے مگر شوہر کو بیوی کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔اسی افسانے میں کرشنا سوبتی لکھتی ہیں:

"آدمی کتنے بے درد ہوتے ہیں، بات نہیں تو کیا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہیں سکتے تھے؟ لیکن کیوں۔۔۔۔ وہ چاہتی ہے کہ شوہر اسے ایک بار دیکھے تو۔۔۔۔ ایک بار۔۔۔ وہ دیا۔۔۔ کی بھوکی ہے کہ ترس کھا کر شوہر اس پر اتنی سی مہربانی کریں۔ "(۱۷)

منو بھنڈاری بھی تانیثیت کی توانا آواز ہیں۔انھوں نے رشتوں کے گرد گھومتی کہانیوں پر قلم اٹھایا ہے۔کہیں مغربی تہذیب نظر آتی ہے تو کہیں ہندوستانی تہذیب۔انھوں نے اپنے افسانوں میں عورت کو خود مختار دکھایا ہے۔انھوں نے عورت کی کمزوریوں کو ان کی شخصیت کے ساتھ جوڑا ہے وہ ان کو الگ ہی روپ میں پیش کرتی ہیں۔زندگی کے مسائل کو حقیقت کی آنکھ سے بیان کرنے کا خاصہ منو بھنڈاری کے قلم میں نظر آتا ہے۔وہ عورتوں کی کم عقلی پر بھی ماتم کرتی نظر آتی ہیں۔جہاں وہ مردوں کی سوچ پر سوال اٹھاتی ہیں، وہیں عورتوں کی روایتی سوچ پر بھی تنقید کرتی ہیں۔

"پر یہ تو کوئی ناخوش یاد کھی ہونے کی بات ہوئی بھلا؟ یہ تو بڑے بھاگ کی بات ہے کہ تمہارا مرد تمھارے پاس ہی آوے ہے۔اب تمھی جب اسے خوش نہیں کرو گی تو وہ ستر جگہ منھ مارتا ہی پھرے گا۔ مرد ہے آخر! پھر جھینکو گی تقدیر کو۔ "(۱۸)

یہ وہی روایتی سوچ ہے جس پر عورتیں ہی عورتوں کو کہتی ہیں کہ مرد کو لبھائیں اور اس کو خوش رکھنے کے لیے ہر جتن کریں ورنہ وہ بے وفا باہر خواتین کے ساتھ تعلقات بنائے گا۔اس وجہ سے وہ عورتیں اپنا استحصال خود کرواتی ہیں۔

میتری پشپا کے افسانوں میں بھی عورت کو ہی مرکزِ نگاہ بنایا گیا ہے۔عورتوں کی زندگی کے نشیب و فراز، دکھ درد، اور ان کے مسائل پر بات کی گئی ہے۔مرد کا کردار سو گناہ کر کے بھی بے داغ رہتا ہے اور عورت کا کردار ذرا سی چھینٹ سے بھی داغ دار ہو جاتا ہے۔یہ پدر سری معاشرے کا دستور ہے کہ عورت کو کمزور سمجھ کر اس کے کردار اور چال چلن پر انگلی اٹھائی جاتی ہے۔اسی بات کو ان کے افسانے "تالا کھلا ہے پاپا" میں بیان کیا گیا ہے:

"توکا ہے کو آگے آگے آجاتی ہے؟ بھیتر نہیں بیٹھا جاتا؟ سیانی، سمانی لڑکی کا لفر لفر کرنا اچھا نہیں لگتا۔ تو ہی چبائے جا رہی ہے ہمیں۔"(۱۹)

مرد غالب معاشرے میں عورتوں کو اظہارِ رائے کی آزادی نہیں ہوتی۔انھیں اپنی مرضی کی زندگی گزارنا تو دور اپنی مرضی کی سوچ رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔گھر کے اندر بھی عورتوں پر کئی قسم کی پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔لڑکوں کو ان سے برتر سمجھا جاتا ہے، ان کو پڑھایا جاتا ہے اور لڑکیوں کو ان کے بنیادی حق تعلیم سے بھی محروم رکھا جاتا ہے۔اس لیے میتری پشپا کے افسانوں میں وہ باشعور لڑکیاں دکھائی گئی ہیں جو اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول نہیں کرتیں بل کہ اپنا حق مانگتی نظر آتی ہیں۔

پاکستانی و بھارتی خواتین کی افسانہ نگاری کا جائزہ لیں تو جہاں بے شمار مشترک قدریں ملتی ہیں، وہیں یہ قدر بھی ملتی ہے کہ پاکستان و بھارت ہر دو ممالک کی خواتین نے عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافی اور اس کے استحصال کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا ہے۔قیامِ پاکستان سے قبل ہندوستان کی عورت مظالم سہ رہی تھی، اسے تیسرے درجے کی کوئی مخلوق سمجھا جاتا تھا اور اس کے ساتھ چلنا یا اس کی بات ماننا مردانگی کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔اسے اپنی مرضی سے کہیں آنے جانے کی آزادی ملنا تو دور، اسے اپنی زندگی کا ہم سفر چننے کی بھی آزادی نہیں تھی۔عصرِ حاضر میں بھی دونوں ممالک کے کئی علاقوں میں یہی روایتی سوچ غالب ہے، عورت کو اپنے گھر والوں کے لیے اپنا آپ قربان کرنا پڑتا ہے۔بھارت کے تہذیبی حالات کم و بیش وہی ہیں جو پاکستان میں کئی صدیوں سے رائج ہیں۔ہندوستان کی تقسیم کے بعد سرحدی حد بندی تو کر دی گئی لیکن سوچ پر حد بندی نہیں کی جا سکی، ابھی بھی کئی پاکستانی گھرانے، ہندوستانی تہذیب کو اپنائے ہوئے ہیں جہاں عورت کا نام بھی کسی غیر مرد کے سامنے لینے سے

Vol. 7 No.3 2023
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

احتراز کیا جاتا ہے اور اسی موضوع کو کئی پاکستانی خواتین نے اپنے افسانوں میں بیان کیا ہے۔ اردو ادب کی اولین افسانہ نگاروں میں کئی ایسی خواتین افسانہ نگار ہیں جنھیں اپنے نام سے لکھنے کی اجازت نہیں تھی، وہ اپنے باپ، بھائی یا شوہر کے نام کی مناسبت سے لکھا کرتی تھیں۔

جہاں تک دونوں ممالک کی خواتین افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری کے اسلوب اور زبان و بیان کا تعلق ہے تو پاکستانی خواتین کا لب ولہجہ اور طرزِ فکر ہندوستانی خواتین سے قدرے مختلف ہے۔ پاکستانی خواتین نے ممکن حد تک رائج اردو کو اپنانے کی کوشش کی ہے لیکن ہندوستانی خواتین کے ہاں ان کی تصنیفات میں ہندی و سنسکرت زبان کے کئی الفاظ ملتے ہیں۔ مزید یہ کہ ان کے افسانوں میں مکالماتی انداز زیادہ ملتا ہے۔ پاکستانی خواتین کے ہاں مکالماتی انداز کم اور افسانوی رنگ زیادہ نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

1. https://www.rekhta.org/articles/urdu-afsane-ka-niswani-lahan-mirza-hamid-baig-articles?lang=ur

۲۔ صالحہ صدیقی، اُردو ادب میں تانیثیت کی مختلف جہتیں، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء، ص ۳۸

۳۔ قرۃ العین حیدر، یاد کی اِک دھنک جلے مشمولہ 'پت جھڑ کی آواز'، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 2011، ص 138

4. https://www.rekhta.org/stories/bhaabi-ismat-chughtai-stories?lang=ur

5. https://www.rekhta.org/stories/haye-allah-hajra-masroor-stories?lang=ur

۶۔ خدیجہ مستور، کھیل، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، س ن، ص ۱۸

۷۔ بانو قدسیہ، ہزار اپایہ مشمولہ آتش زیرِ پا، دہلی، کتابی دنیا، ۲۰۰۱، ص ۳۳

۸۔ غزالہ خاکوانی، در تو کھولیے، ملتان، جاذب پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲

۹۔ نیلم احمد بشیر، مردوں والا کام مشمولہ جگنوؤں کے قافلے، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء ص ۱۸۳

۱۰۔ غزالہ خاکوانی، "کیچوے" مشمولہ، آج کی شہر زاد، لاہور، الحمد پبلی کیشن، ۲۰۰۵، ص ۱۰۸

۱۱۔ جیلانی بانو، کتاب الرائے مشمولہ 'تریاق' کراچی، فضلی سنز، فروری ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۴۳

۱۲۔ شائستہ فاخری، 'ریچھ' مشمولہ اداس لمحوں کی خود کلامی، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۱ء، ص ۲۵۰

۱۳۔ ذکیہ مشہدی، صدائے بازگشت، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۳، ص ۲۱

۱۴۔ واجدہ تبسم، 'سہاگن' مشمولہ 'شہر ممنوع'، انڈیا، اورسیز بک سنٹر، ۱۹۷۲ء، ص ۲۶۰

۱۵۔ زاہدہ حنا، زمین آگ کی، آسمان آگ کا مشمولہ راہ میں اجل ہے، نئی دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۳۰

۱۶۔ خالدہ حسین، 'چینی کا پیالہ' مشمولہ 'پہچان'، کراچی، خالد پبلی کیشنز، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۷

۱۷۔ کرشنا سوبتی، 'بادلوں کے گھیرے میں' مشمولہ 'ایک دن'، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، س ن، ص ۱۶۷

۱۸۔ منو بھنڈاری، 'میں ہار گئی' مشمولہ 'دیوار، بچے اور برسات'، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، س ن، ص ۹۵

۱۹۔ میتری پشپا، 'گوما ہنستی ہے' مشمولہ 'تالا کھلا ہے پایا'، دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، س ن، ص ۴۷